R-No. 2186/57 REGD. No. L-922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

جلد ۲۸، شمارہ ۱۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ اپریل ۱۹۶۹ء

اداریہ

ہم کدھر جا رہے ہیں؟

کل ہی کلکتے کے ایک اردو روزنامے کے ایڈیٹر سے بات ہو رہی تھی ہم نے ان سے پوچھا کہ کلکتے میں آئے دن ہنگامے، فساد کیوں ہوتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ کلکتہ کتنا بڑھ گیا ہے اس کا باہر کے لوگوں کو اندازہ نہیں۔ وہاں کے لاکھوں باشندے بسوں میں لٹکے ہوئے سفر کرتے ہیں انھیں کبھی بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا۔ گرانی، بے روزگاری نے یہ حال کر رکھا ہے۔ ہر شخص ایک تناؤ ایک جھلاہٹ محسوس کرتا ہے۔ ایسے میں کوئی بات ہو اس کا ردِ عمل بہت شدید ہوتا ہے اور اکثر نیتا لوگ عوام کی اس جھلاہٹ سے فائدہ اٹھا کر ان کا رخ کسی طرف موڑ دیتے ہیں۔ پھر وہ کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے بعض اوقات چھوٹی چھوٹی جذباتی باتیں ہوتی ہیں انھیں پہاڑ بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ پھر وہ واقعی پہاڑ نظر آنے لگتی ہیں۔

یہ بات کلکتے کے متعلق نہیں تمام بڑے شہروں کے متعلق بلکہ کسی نہ کسی طرح سارے ملک کے متعلق صحیح ہے۔ آبادی بڑھتی جاتی ہے۔ غذا مہنگی ہوتی جاتی ہے۔ ملک میں ترقی ہو رہی ہے مگر اس کا فائدہ عوام کو کم محسوس ہو پاتا ہے۔ تھوڑے سے لوگ بہت مزے میں ہیں۔ خوب روپیہ کماتے ہیں خوب عیش کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا کی ہر چیز میسر ہے۔ بہت سے لوگ جو پہلے توقعات نہیں رکھتے تھے اب آزادی کے خوابوں اور لیڈروں کے وعدوں کی وجہ سے جمہوری حکومت سے جائز توقعات رکھتے ہیں۔ وہ پوری نہیں ہوتیں۔ اچھی تعلیم گراں ہے۔ حکومت کی طرف سے جو تعلیم دی جاتی ہے، عام طور پر بہت سطحی اور فضول قسم کی ہوتی ہے۔ متوسط طبقہ اچھی تعلیم کے لئے اچھے پرائیویٹ اسکولوں کی طرف دیکھتا ہے اور وہاں کی فیسوں کے بوجھ تلے دبا جاتا ہے۔ مزدور کو مزدوری پہلے سے زیادہ ملتی ہے مگر گرانی بھی تو بڑھ رہی ہے۔ کسانوں کے دو طبقے ہو گئے ہیں۔ ایک بہت خوشحال ہے اور بیوی کے لئے سونے کا زیور خریدتا ہے اور اپنے لئے ریڈیو خریدتا ہے۔ دوسرا ایک حال کے جائزے کے مطابق ایک روپیہ روز سے زیادہ خرچ نہیں کر سکتا۔ اس کی آمدنی ہی اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ نوجوان دیکھتے ہیں کہ تعلیم کے بعد بھی بے روزگاری کے بھوت کا سامنا ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے اب تک جو مظاہرہ کیا ہے وہ کسی طرح قابلِ تعریف نہیں۔ برسرِ اقتدار پارٹیوں کا قصور بہت زیادہ ہے مگر الزام سب پر آتا ہے اس لئے رجے اقتدار ملا اس نے اپنے وعدے بڑی حد تک فراموش کر دئے۔ افسر فرعون ہو گئے ہیں۔ سپاہی کوتوال، کلرک بادشاہ اور وزیر خداوند۔ یونیورسٹیاں جو علم کا گہوارہ سمجھی جاتی تھیں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے اپنے فرض کو پورا نہیں کر سکتیں اساتذہ مجموعی طور پر تعلیم و تدریس کے فرائض سے زیادہ اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہیں، طلبہ تعلیم سے زیادہ سیاست کے چکر میں گرفتار رہتے ہیں۔ پرانی اخلاقی قیود ٹوٹ رہی ہیں۔ مخلوط تعلیم نے بھی نئے نئے مسائل پیدا کر دئے ہیں۔ اخلاق کے لئے کوڑا ہی ضروری سمجھا جاتا تھا ذہنی تربیت کا کسی کو خیال نہ تھا۔ کوڑا بیکار ہو گیا ہے اور ذہنی تربیت دینے والے والدین خود اپنے ذاتی اغراض کے چکر میں گرفتار ہیں۔ ان حالات میں خدا جانے ہمارے ملک کا کیا ہوگا۔

کاش ہمارے وزیر ہر قسم کی تقریریں کرنا بند کر دیں اپنا سارا وقت اپنی وزارت کی دیکھ بھال میں صرف کریں۔ کاش قوم میں زیادہ باتیں کرنا جرم قرار دے دیا جائے کاش ہر شخص ہفتے میں ایک دن گاندھی جی کی طرح خاموش رہے تاکہ اسے خاموشی کی عادت پڑے۔ پھر یہ توانائی جو فضول باتوں، رسمی تقریروں

اور قصیدوں یا مرثیوں میں صرف ہو جاتی ہے۔ کسی سنجیدہ کام میں لگائی جا سکے۔ کاش رہنما رہنمائی کرنے کی جرأت کریں محض عوام کے بنیادی جذبات کے پیچھے پیچھے نہ چلیں۔ کاش دانش ور اقتدار کا جزو بننے کے بجائے اختلاف اور آزادی رائے کو حسب ضرورت شعار بنائیں اور مسائل کے عقلی و معروضی مطالعے پر زور دیں۔ کاش میسور، مہاراشٹر، کرشنا گوداوری، بلیا اور بہار، چنڈی گڑھ کے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کے بجائے ملک کے بنیادی مسائل کا درد دلوں میں پیدا ہو سکے۔ یہ ہو سکتا ہے متاثر کرنے والے بھی ترجوں ہمارا ہندوستان بہت بڑا ہے۔ اس کی بڑی تقدیر ہے اس کے لئے بڑی شاندار منزل ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں نے سب باتوں کا لحاظ رکھا ہے، ملک کا اور اس کی کثیر آبادی کا نہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ ہر شخص اپنے فرض کو پہچانے اور صرف حقوق طلب کرنے کے بجائے جو اس پر فرض عاید ہوتا ہے اس کا حق ادا کرے۔ ہمارے مسائل جلد حل نہیں ہوں گے اور ان کے حل کی طرف ہمیں جلد سے جلد بڑھنا تو چاہیے۔ اس وقت تو ہم تنکے کی طرح حالات کے دریا میں بہہ رہے ہیں۔ ہم اپنا کام نہ کرنے کا جواز اس طرح نکال لیتے ہیں کہ فلاں ہم سے کم کام کرتا ہے۔ کاش کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں جو صرف اس پر فخر کر سکیں کہ کوئی کچھ کرے یا نہ کرے ہمیں اس کی پروا نہیں، ہم تو اپنا فرض ایمانداری سے ادا کر رہے ہیں۔ (باقی)

دس زبانوں کے اہل قلم کو ساہتیہ اکاڈمی انعام

نئی دہلی:- صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے ہندوستانی زبانوں کے دس ممتاز اہل قلم کو ساہتیہ اکاڈمی کے انعامات ایک خاص تقریب میں عطا کئے۔ ہر انعام پانچ ہزار روپے کے چیک اور ایک سند اعتراف پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ انعام آسامی، گجراتی، ہندی، کنڑی، میتھلی، مراٹھی، پنجابی، سندھی، سنسکرت اور تامل زبانوں کے اہل قلم کو ملے ہیں اس بار اردو کے کسی اہل قلم کو ساہتیہ اکاڈمی کا انعام نہیں ملا۔ (قومی آواز)

سوویت دیس نہرو انعامات

نئی دہلی:- سوویت دیس نہرو انعام کمیٹی کے صدر جناب کے۔ پی۔ ایس۔ مینن نے اعلان کیا ہے کہ حسب سابق اس سال بھی بہترین ادبی اور صحافتی تخلیقات پر جو عالمی امن اور ہند سوویت دوستی کے مقصد سے تعلق رکھتی ہوں اور روسی کلاسیکی تخلیقات کے ہندوستانی زبانوں میں تراجم پر انعامات دئے جائیں گے۔ بچوں کی مصوری کا مقابلہ بھی منعقد کیا جائے گا اور پانچ بہترین تخلیقات پر انعامات دئے جائیں گے۔ انعام یافتگان کے ناموں کا جواہر لال نہرو کی سالگرہ کے دن ۱۴/نومبر ۱۹۶۹ء کو اعلان کیا جائے گا۔

ممبران پارلیمنٹ کی تصانیف سے متعلق کتابوں کی نمائش

نئی دہلی:- ممبران پارلیمنٹ کی تصانیف سے متعلق کتابوں کی نمائش جس میں ممبران پارلیمنٹ کی تصانیف رکھی جائیں گی۔ اس نمائش کا اہتمام سنٹرل ہندی پریشد نے کیا ہے۔ یہ کتابیں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ نمائش کے لئے لوک سبھا کے ۹۸ ممبران نے اور راجیہ سبھا کے ۳۵ ممبران نے اپنی کتابیں بھیجی ہیں یہ پہلا اتفاق ہے جب کہ ایسی نمائش کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے۔ (الجمعیۃ)

غالب کی دو نئی تحریروں کی دریافت

کراچی:- غالب کی دو اہم گمشدہ تحریریں ماہنامہ افکار کے غالب نمبر میں شامل ہیں۔ ان میں ایک غالب کی وہ اولین درخواست ہے جو انھوں نے ۲۸/فروری ۱۸۲۸ء کو کلکتہ پہنچنے کے فوراً بعد کونسل میں پیش کی تھی اور دوسری وہ "سپاس نامہ" ہے جو کولڈ اسٹریم کمشنر دہلی کی خدمت میں دہلی کے چھتیس دانشوروں اور معززین کی جانب سے پیش ہوا تھا۔ ان دونوں تحریروں کا انکشاف ماہنامہ "افکار" کراچی کے غالب نمبر میں مالک رام اور مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے کیا ہے۔ غالب نمبر کے دیگر لکھنے والوں میں مولانا غلام رسول مہر، پروفیسر احمد علی، ڈاکٹر سید محمد یوسف، بیگم افضل کاظمی، بلقیس جمال اور عرش ملسیانی کے مضامین غالب کے فکر و فن کے بعض نہایت اچھوتے گوشوں کو پیش کرتے ہیں۔ ان قیمتی مضامین کے علاوہ افکار کے غالب نمبر میں تاریخوار واقعات غالب مع اشاریہ "دستنبو" کا مستند و مکمل ترجمہ "غالب شکن" مصنفہ یگانہ چنگیزی، ڈاکٹر بجنوری کا انقلاب آفریں مقدمہ "محاسن کلام غالب" اور دو درجن سے زائد غیر مطبوعہ مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ (نامہ نگار)

صبوحی کی اشاعت

برنالہ:- مہر چند کوثر انجمن ترقی اردو (ہند) پنجاب کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ انھوں نے اپنا مجموعہ انجمن ترقی اردو (پنجاب) برنالہ سے "صبوحی" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ (ظفر ادیب)

قصر اردو کے دو شعری مجموعے

انجمن قصر اردو نے دو کتابیں "غبار رنگ" (اندر سروپ دت نادان) اور "لالہ زار" (ریکانی چاندپوری) نہایت خوبصورتی سے شائع کی ہیں۔ "غبار رنگ" غزلوں پر مشتمل ہے اور "لالہ زار" میں غزلیں، قطعات اور نظمیں ہیں۔

(ظفر ادیب)

سید شہاب الدین دسنوی

اردو کی ترقی کے ذرائع و مواقع

بلاشبہ اردو کی یہ بدقسمتی ہے کہ اسے کسی ریاست میں علاقائی یا ثانوی زبان کا رتبہ نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کے استعمال اور ترقی کے ذرائع بھی محدود ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کی یہ بدنصیبی بھی کچھ کم نہیں ہے کہ خود اردو والوں نے اسے شاہد بازاری سے زیادہ نہیں سمجھا۔ چنانچہ وہ اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہیں۔ عارض و رخسار کو قرۃ العین نظر بتاتے ہیں۔ اس کی زلف خم دار پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ اس کی شمامۂ جانفزا سے دل و دماغ کو فرحت پہنچاتے ہیں۔ اس کی شیرینیت سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ مگر اسے اپنے جسم کی رگوں میں گرم خون کی طرح دوڑانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اردو ہمارے یہاں شاعروں کی واہ واہ، محفل سماع کی ہو حق، مجلسوں کی سوز خوانی اور مغنیوں کی نغمہ سرائی کے کام تو آتی ہے لیکن زبان کو زندگی سے جو رشتہ جوڑنا چاہئے وہ نہیں ہونے پاتا ہے۔ حقیقت میں یہ اردو کا اعجاز ہے کہ اس بے توجہی کے باوجود اس کی شائستگی برقرار ہے اور اس کے جاننے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا چلا گیا ہے۔ آج ہماری زبان کا جو محدود سرمایہ نظر آتا ہے وہ ہمارے قدما کا عطا کردہ ہے۔ اس میں ہمارا اپنا حصہ (بعض مستثنیات کو چھوڑ کر) کم ہے۔ اس صورت حال کا جواز اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ اردو کے ذریعے معاش کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں اس لئے زبان جس توجہ کی حقدار ہوتی ہے اس کی یہاں ضرورت ہی نہیں محسوس کی گئی ہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری زبان میں ترقی کے دعووں کے باوجود بعض بڑی بنیادی چیزیں ابھی تک تشنۂ بحث ہیں۔ جو معیار زبان میں قائم ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہو سکا۔ کسے یقین آئے گا کہ آج بھی ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ اردو کے ہندسوں میں ساڑھے پانچ کس طرح لکھا جائے؟ غالب کی صد سالہ برسی منانے کا فیصلہ ہوا تو بحث ہوئی کہ سو اور ایک سو ایک کی صفت عددی کی ترتیب کیا ہونی چاہئے اور اسے لفظوں میں لکھا کیسے جائے؟

بول چال کے بعد زبان کا پہلا استعمال تعلیم ہی میں ہوتا ہے اور تعلیم کی پہلی ضرورت درسی کتابیں ہوتی ہیں۔ اردو کی درسی کتابوں پر ایک نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اس سے بُری کتابیں شاید ہی کسی زبان میں ملیں گی۔ ہماری کتابیں طباعت کے لحاظ سے بُری، تصویر اور نقشوں کے اعتبار سے بھدّی اور مواد اور ترتیب کے حساب سے حد درجہ ناقص ہوتی ہیں۔ ہمارے یہاں لائق آدمیوں کی کسی میدان میں کمی نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ ہمارے یہاں اچھے سبق لکھنے والے اور ذہین مصنف مل ہی نہیں سکتے ہیں۔ سوال اہمیت کا ہے۔ نہ ہم اچھی کتابوں کا استعمال اپنے طلبہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کا تیار کرنا۔ اگر کبھی کسی نے یہ مسئلہ اٹھایا بھی تو اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ چونکہ اردو پڑھنے والے غریب ہوتے ہیں اس لئے وہ زیادہ اچھی کتابوں کی قیمت کے متحمل نہیں ہو سکتے ہیں۔ یعنی معاملہ غریب اور امیری کی ابتدائی کشمکش کی منزل پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ اردو یا اردو کے ذریعے کی تعلیم چونکہ صرف غریب غربا دلاتے ہیں اس لئے ان کا کیا، پڑھا پڑھایا نہ پڑھا۔ جو اردو بولنے والے اپنے بچوں کو بہتر قسم کی تعلیم دلانا چاہتے ہیں وہ انھیں کونونٹ قسم کے انگریزی اسکولوں میں بھیج کر مقصد بر آری کر لیتے ہیں۔ ان کے اس رویہ سے چاہے اردو اچھی درسی کتابوں سے محروم رہ جائے انھیں کوئی احساس نہیں ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی وقت نہیں گیا ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی زبانوں میں جس معیار کی درسی کتابیں اسکولوں کے لئے یا بچوں کا لٹریچر تیار ہوا ہے اس کا گہرا مطالعہ کر کے جدید طرز

سکندر علی وجد

سارنگی

دمساز ہزار داستاں ہے
یہ سوز و گداز کا جہاں ہے
نیرنگ سرود و شادمانی
ہر بول میں اک نئی کہانی
ہر تان پہ عکس آرزو کا
ہے لفظ مزا ہے گفتگو کا
ہر سُر کی صدا کھنک رہی ہے
لہجے میں دھنک چمک رہی ہے
دھیمی صد رنگ آنچ لے کی
زندہ تصویر کیف مے کی
پردوں سے نکل کے موج سرگم
خوابوں کو جگا رہی ہے پیہم
آواز کے زیر و بم سے مل کے
لرزاں ہیں تمام تار دل کے
راگوں کے جو دور چل رہے ہیں
یادوں کے چراغ جل رہے ہیں
رکھتا ہے نشاط و غم پہ قابو
سنگیت کا بے پناہ جادو
سنگین سماں بدل گیا ہے
ہر درد خوشی میں ڈھل گیا ہے

کی کتابیں ہمارے مصنفین بھی لکھنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور وہ جب اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے تو انھیں یہ بھی پتہ چلے گا کہ یہ کام اتنا اول قسم کی منفعت کا نہیں ہے جتنا کہ وہ سمجھتے تھے۔

اردو کے مصنف کی ایک بڑی کمزوری اس کا پندار ہوتا ہے جس کے تحت وہ اپنے آپ کو "آزاد" سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے خیال میں مصنف کا کام اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی تخلیق کو قلم سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دے۔ اسے اس سے بھی بحث نہیں کہ وہ قلم کیسا ہے اور کاغذ کس رنگ و روپ کا۔ کتابت، تصویریں، نقشے، طباعت، جلد وغیرہ کی تفصیلات سے وہ قطعی ناواقف ہوتا ہے اور واقف ہونا بھی نہیں چاہتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ایک "قلم کار" سے توقع رکھنا کہ وہ ٹائپ، جلد، پروف ریڈنگ جیسی غیر شاعرانہ باتوں سے بھی بحث کرے بڑی بد مذاقی ہوگی۔ وہ تو محض مصنف ہے اور بس! وہ یہ بھول جاتا ہے کہ انسانی تخلیق میں بھی کوشش یہی رہتی ہے کہ تخلیق کو زیادہ سے زیادہ حسین و دلکش طریقے سے آراستہ و پیراستہ کر کے اس میں ایسی خوبیاں پیدا کی جائیں جن کی وجہ سے وہ دوسروں کے لئے جاذب نظر بن سکے۔

درسی کتابوں کی طرح اردو کے اخباروں کا بھی حال ہے اگر بمبئی شہر اور پورے مہاراشٹر کی اردو صحافت کا جائزہ لیا جائے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ ایسے صحیفوں کی تعداد حیرت انگیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ان کی تعداد اشاعت پر نظر ڈالی جائے تو مدیران کے بلند دعووں سے قطع نظر، افسوسناک صورت حال دکھائی دے گی ہماری صحافت زیادہ تر انفرادی شخصیت کے محور کے گرد پھرتی ہے۔ ایک فرد خود ہی اداریہ بھی لکھتا ہے، منیجری کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ کاتب اور پریس کی آفت دبے جاسے بھی وہ دوچار ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتے ہوئے اپنا سرمایہ بھی لگا دیتا ہے۔ اگر اس نے کہیں صحافت کو پیشے کی طرح سمجھا ہوتا، اس کا مطالعہ کیا ہوتا تو شاید اتنی خرابی نہ پیدا ہوتی۔ آج کے صحافی کے لئے ہر طرح سے باخبر رہنا، خبروں کا شعور پیدا کرنا اور لکھنے کا سلیقہ حاصل کرنا ہی نہیں بلکہ ان کے سوا اور کئی خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسے فوٹوگرافر بھی ہونا چاہئے۔ نڈر بھی ہونا چاہئے، معاملے کا شوق بھی ہو اور اپنے قارئین کے ذوق کا اندازہ بھی، اسے فن طباعت کا بھی علم ہونا چاہئے اور آرٹ کا بھی۔ دوسرے لفظوں میں آج کا صحافی ایک مخصوص تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے، تب جا کر اس کی کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ لیکن اردو صحافت میں لوگ اپنے آپ کو ان باتوں سے بے نیاز سمجھتے ہیں، صرف وہ قارئین کو فریب میں اس طرح مبتلا کر سکتے ہیں کہ ایڈیٹر خود کسی جلسے کی رپورٹ لکھ کر ہمارے رپورٹر کے قلم سے "عنوان دے دے۔ یا سرکولیشن منیجر کا عہدہ اپنے آپ کو دے کر خطوط پر اس سے دستخط کرائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ بڑا اشاعت ہے۔

اردو اخبارات میں خصوصی نمائندوں کا اب تک یا تو رواج ہے نہیں اور جو کچھ ہے وہ بے کیف اور ناقص ہے۔ ایجنسی کی محدود خبریں بعض اخبارات حاصل کر لیتے ہیں ورنہ ترجموں سے کام چلایا جاتا ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کی بدولت ہمارے اخبارات گو ہماری سماجی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں جو رول ادا کرنا چاہئے وہ یہ نہیں کر سکے ہیں۔ اگر ان سب باتوں کا لحاظ رکھ کر اردو صحافت کا معیار بلند کر دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے اخباروں کی طرح اردو اخبار بھی تعداد اشاعت کے اعتبار سے ان کا مقابلہ کرنے لگیں اور صحافت ایک مستقل پیشہ بن سکے۔

جارج برنارڈ شا کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ جو کوئی کچھ کر سکتا ہے وہ کرتا ہے، جو کچھ نہیں کر سکتا ہے وہ پڑھاتا ہے۔ اس طنز میں کچھ حقیقت تو ہے۔ لیکن اب معاملہ مختلف ہے بمبئی شہر اور مہاراشٹر میں ایک طرف پرائمری اسکولوں کے لئے، دوسری طرف تقریباً ۲۰۰ اردو کے ہائی اسکولوں کے لئے اور کالجوں میں اردو کے ڈپارٹمنٹ کے لئے اساتذہ کی ایک معقول تعداد میں ضرورت ہوتی ہے لیکن اب تک چونکہ گریڈ معمولی تھے اس لئے عام طور سے مدرسین بھی اس مناسبت سے ملتے تھے۔ اب صورت حال مختلف ہے۔ تنخواہیں اگر بہت اچھی نہیں تو بری بھی نہیں ہیں پھر بھی ایسے مدرسین جو خود زبان سے بخوبی آشنا ہوں جو طریقۂ تدریس میں جدت پیدا کر سکتے ہوں، جو تربیت یافتہ یعنی ٹرینڈ ہوں، کم ہی ملتے ہیں مہاراشٹر میں ان کی گنجائش ہے۔ لیکن اس پیشے میں داخل ہونے کے لئے ہمارے اردو پڑھنے والے نوجوانوں کو یہ پہلے سے فیصلہ کر لینا ہوگا کہ وہ تعلیمی شغل کو اپنا پیشہ بنائیں گے پھر اس کے مطابق تیاری کرنی ہوگی۔

اردو سارے ہندوستان میں بولی جاتی ہے اس کے چاہنے والوں کی تعداد کئی کروڑ تک پہنچتی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے لیکن ذرا انگلیوں پر گن کر بتایئے کہ کتنے رسالے درس و تدریس کے معلمین کے لئے شائع ہوتے ہیں۔ جن سے ایک دور افتادہ معلم رشد و ہدایت حاصل کر سکے اور اپنے کام کو بہتر بنا سکے۔ کون سا وہ رسالہ ہے جو سائنس کی معلومات اور جدید انکشافات کو عام فہم زبان میں لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ تاریخ، فلسفہ اور ثقافت کے کتنے رسالے ہیں؟ ہاں البتہ ہم لے سنا ہے کہ کچھ فلمی اور بعض مذہبی رسالے کئی ہزار کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں اور لوگ انھیں شوق سے خریدتے ہیں۔ ان کی کامیابی کا راز صرف اتنا ہے کہ عوامی مذاق سے قطع نظر ان رسالوں کے ناشرین تجارتی اصول سے بخوبی واقف ہیں جب تک لوگ رسالے محض ذاتی دلچسپی اور بزعم خود اردو کی خدمت کے جذبے کے تحت شائع کرتے رہیں گے، ان کا سرمایہ ضائع ہوتا رہے گا اور وہ بار بار یہ مصرعہ پڑھتے رہیں گے کہ ؎

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے

(باقی صفحہ ۹ پر)

اصغر عباس

سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ

سرسید ان رندان باصفا میں ہیں جو جہاں بیٹھ کے پی لیتے ہیں وہیں میخانہ بن جاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سرسید ملازمت کے سلسلہ میں جہاں بھی مقیم رہے انھوں نے علمی میخانوں کی بنیاد ڈالی۔ ایک مدرسہ مرادآباد میں دوسرا غازی پور میں تیسرا ادارہ سائنٹفک سوسائٹی جس کی ابتدا غازی پور میں ہوئی لیکن بعد میں مستقل قیام علی گڑھ طے پایا۔

اوّل الذکر مدرسے ان کی ابتدائی کوششیں تھیں جو تعلیم کے باب میں عمل میں آئیں لیکن سائنٹفک سوسائٹی ایک سوچی سمجھی اور ایک ہمہ گیر پروگرام کے تحت بڑے پیمانے پر قائم کی گئی جس کا مقصد قومی تعمیر کے لئے فکر و عمل کی دعوت دینا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سوسائٹی کے پروگرام کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ پہلے سوسائٹی "اعلیٰ سطح پر ترجموں پر توجہ کرے" تو دوسری طرف جدید سائنس کے فکری اور عملی نتائج سے عوام کو روشناس کرائے۔ سرسید نے ترجمہ کے کام کو انگریزی زبان کی اصلیت اور مستقل تصنیفات سے اس لئے زیادہ ضروری سمجھا کہ ترجموں ہی کے ذریعہ بڑے پیمانے پر قوم کو ان حقایق اور محرکات کو سمجھنے میں مدد ملے گی جس نے مغربی تہذیب کو ایک حرکی طاقت بنا دیا تھا یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی سے جو کتابیں ترجمہ ہوئیں وہ زیادہ تر علمی اور تاریخی تھیں۔

سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی کے پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے ۱۸۶۳ء میں قوم کے پڑھے لکھے طبقے کو غازی پور میں اس پروگرام پر غور کرنے کے لئے دعوت دی۔ اس مرحلہ پر انھوں نے ایک تجویز "التماس بخدمت ساکنان ہندوستان درباب ترقی تعلیم اہل ہند" پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ "ہمارے ہموطن ہندوؤں اور مسلم قوموں میں علم کے پھیلانے اور ترقی دینے کے لئے ایک سوسائٹی کا مقرر ہونا تجویز ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہوگا اول تلاش کرنا اور چھاپنا ہمارے قدیم مصنفوں کی بہت عمدہ کتابوں کا دوسرے انگریزی زبانوں سے ایسی کتابوں کا ترجمہ کرنا اور چھاپنا جو سب کے لئے مفید ہوں۔" اس تجویز کا حاضرین جلسہ پر اثر ہوا اور لوگوں نے سوسائٹی قائم کرنے کی تجویز کو لبیک کہا۔ ۹ جنوری ۱۸۶۴ء کو غازی پور ہی میں تجویز کو باقاعدہ شکل دینے کے لئے ایک جلسہ ہوا جس میں سرسید کے دست راست جی۔ ایف۔ آئی۔ گراہم نے سوسائٹی کے مقاصد کو واضح طور پر بیان کیا اور انجمن کے قواعد و ضوابط منظور کئے گئے۔ غازی پور کے جج ایل پیٹی اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور اعزازی سکریٹری سرسید اور گراہم منتخب ہوئے۔ اسی جلسہ کے بعد مغربی تصانیف کے اردو تراجم کے سلسلہ کا آغاز کر دیا گیا جسے ہم انیسویں صدی میں شمالی ہند میں ترجموں کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ کوشش کہہ سکتے ہیں۔ ترجمہ کا آغاز ROLLIN کی کتاب تاریخ مصر و یونان سے کیا گیا۔ رولین کی یہ کتاب پرانی تھی اور اس کے بعد بہت سی نئی تحقیقات ہو چکی تھیں لیکن اس کا ترجمہ کرانے کا مقصد سرسید کے الفاظ میں یہ تھا۔ "رولین صاحب نے اپنی تاریخ میں اور خصوصاً یونان کی تاریخ میں ان مطالب کو (یعنی رفاہ عام کے کاموں کو) ایسی عمدہ تقریر سے بیان کیا ہے جو دل کے بیچ میں بیٹھتی ہے اور جو شخص ہندوستان کی بھلائی چاہنے والا ہوگا وہ اول یہی بات چاہے گا کہ ہندستانیوں

سید نظیر حسین نظیر مظفر پوری

نذر غالب

(یہ غزل "انڈیا ہاؤس" لندن میں ۸ مارچ کو برطانیہ میں غالب کی صد سالہ تقریبات کے افتتاح کے موقع پر پڑھی گئی)

ژرف بیں کوئی یہاں دیدۂ بینا نہ ہوا
میں ہوں وہ راز جو ظاہر ہے پر افشا نہ ہوا
خویش وارفتہ و مجنون بیخود نگر دیدہ
دل وہ دنیا ہے جہاں کوئی کسی کا نہ ہوا
کتنے شہر ہو گئے ویران فسادات ہوئے
اک قیامت ہوئی یہ آپ کا پردا نہ ہوا
اک ذرا سبحہ و زنار سے آگے دیکھے
ایسا کوئی یہاں اللہ کا بندہ نہ ہوا
دل معاصی کی طرف بڑھتا ہے جس شدت سے
اتنی رغبت سے کبھی مائل تقویٰ نہ ہوا
قطرہ وہ قطرہ ہے جو ڈوب کے دریا نہ بنا
ذرہ وہ ذرہ ہے جو آئینہ خانہ نہ ہوا
کھا سکے وہ نہ مری رخ کی بشاشت سے فریب
ان کی بیگانہ روشی سے مجھے دھوکا نہ ہوا
یہ بھی ٹھہرا مری خوش نا یہ نشانی کا قصور
رشک گلزار اگر دامن صحرا نہ ہوا
میرے سینے میں نظیر ایک وہ کافر دل ہے
جو بتوں کا نہ بنا اور خدا کا نہ ہوا

کے دل میں رفاہ عام کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ جب ہندوستانیوں کو رفاہ عام اور اپنے ملک کی بہتری کا خیال ہوگا تو ہم ایسی سوسائٹیاں جیسی کہ یہ ہے اور بہت سی قائم کرسکیں گے اور ہر ہر ضلع اور قصبہ میں عمدہ عمدہ مدرسے صرف ہندوستانیوں کے خرچ سے قائم ہوسکیں گے اور چند ہی سال میں ہندوستان تاریکی سے بہت جلد نکلے گا۔"

سر سید نے تبادلے کے باعث ۶ر جون ۱۸۶۴ء کو سائنٹفک سوسائٹی کا دفتر علی گڑھ منتقل ہو گیا یہاں سوسائٹی کے کام کی رفتار اتنی بڑھ گئی کہ اگرچہ غازی پور میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتی تھی تو علی گڑھ میں آکر ایک پل کھاتا ہوا دریا بن گئی۔ اس زمانے میں جبکہ شمالی ہند کے لوگ ایک غنودگی کے عالم میں تھے اس کے ممبروں کی تعداد ایک سو تو سے تو سو چھتالیس ہوگئی۔ جس میں ہندو مسلمان اور انگریز شامل تھے یہیں یہ طے پایا کہ سوسائٹی کی مطبوعات اور ہر قسم کے علوم و فنون کی کتابوں کو جمع کرنے کے لئے نیز لکچروں کا انتظام اور تجربات دکھانے کے لئے اور آپس میں تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے ایک عمارت بنائی جائے چنانچہ ۳۰ر نومبر ۱۸۶۴ء کو سوسائٹی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اس عمارت میں مہینے میں کئی بار علمی اور عمومی دلچسپی کے لکچر منعقد ہوا کرتے تھے۔ سر سید جانتے تھے کہ کسی ملک کی ترقی میں علمی اور عمومی سطح پر تعلیم کا انتظام کرنا ضروری تھا ڈاکٹر فلک ہر مہینے سائنس کے کسی موضوع پر لکچر دیتے تھے اور آلات سائنس جو سوسائٹی کی تجربہ گاہ میں موجود تھے ان سے حاضرین کو تجربات دکھاتے تھے۔ خود سر سید نے دسمبر ۱۸۶۴ء سے لے کر مارچ ۱۸۶۵ء تک بیان قانون پر لکچر دیئے۔ سر سید کے تعلیمی منصوبہ میں معاشیات کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ سر سید اس سے پوری طرح واقف تھے کہ ہندوستان میں زراعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے وہ زراعت کے طریقوں میں انقلابی تبدیلی چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سن فلی پر ایک لکچر بھی دیا تھا اور علم فلاحت کے ایک رسالہ کی تصنیف کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ خود انھوں نے علم فلاحت کے اصولوں کے مطابق سوسائٹی کے باغ میں گیہوں بویا تھا اور لندن سے نو قسم کے گیہوں منگائے گئے تھے سر سید نے ایک آہنی ہل بھی ایجاد کی تھی جس کے ذریعہ ایک ایک دانہ گیہوں بویا جا سکتا تھا۔ سوسائٹی کی لائبریری میں ۴۴ اخبارات آتے تھے جس میں یورپ، مصر وغیرہ کے بھی اخبارات ہوتے تھے۔ سائنٹفک سوسائٹی سے تقریباً ۴۰ کتابیں ترجمہ ہوئیں جس میں اصول سیاست مدن، تاریخ ہندوستان، تاریخ ایران، رسالہ علم جغرافیہ، تاریخ چین، تاریخ قدیم اقوام کی، رسالہ علم فلاحت رسالہ علم برق وغیرہ اہم ہیں۔ سر سید کا خاص زور تاریخ اور سائنس پر تھا چنانچہ سوسائٹی کی کتابوں میں ایک بڑی تعداد انھیں علوم کی ہے۔ صرف حساب میں ۱۸ کتابیں مولوی ذکاء اللہ کو ترجمے کے لئے دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ تاریخیں 'طبقات ناصری'، 'تاریخ تیمور' اور انتخاب تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ بھی کیا جانا تجویز ہوا تھا۔

سوسائٹی کے ترجمے عام طور سے بہت کامیاب رہے خصوصاً معاشی اصطلاحات کے ترجموں میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا ہے اسی وجہ سے ان اصطلاحات نے اردو میں مستقل جگہ حاصل کرلی۔ حاشیوں کی مدد سے متن کے ایسے اشارے اور تلمیحات کو بھی واضح کیا جاتا تھا جن سے عوام عموماً ناواقف تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کو عام مقبولیت حاصل ہوئی اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوسائٹی کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو ہم آج سو برس بعد بھی آج کی ترجموں کی وقیع کتابوں کے مقابلے میں نظر انداز نہیں کرسکتے سوسائٹی کے ترجموں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم حضرات ایک طرف تو انگریزی افکار کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال رہے تھے تو دوسری طرف خود اپنی زبان کا ایک مزاج بنانا چاہتے تھے۔

۱۸۶۶ء میں سوسائٹی کی طرف سے ایک ہفتہ وار اخبار سائنٹفک سوسائٹی گزٹ کے نام سے نکالا گیا اس اخبار کے اجراء کا مقصد یہ تھا کہ عوام و خواص کو روزمرہ کے مسائل سے آگاہ کیا جائے اور چھوٹی بڑی باتوں کو سائنٹفک نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور اس طرح معاشرہ میں ایک موثر تبدیلی ہو۔ اس اخبار کا ایک کالم انگریزی اور ایک اردو میں ہوتا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ انگریز اور ہندوستانی ایک دوسرے کے مسائل سمجھیں اور ان میں جو منافرت کی خلیج حائل ہے وہ ختم ہو جائے اس اخبار کے ذریعہ اردو صحافت میں اہم تبدیلیاں ہوئیں تقریباً بائیس برس تک اس اخبار کے ایڈیٹر سر سید رہے۔

یوں تو سائنٹفک سے پہلے بھی انگریزوں کی قائم کی ہوئی ہندوستان میں چند سوسائٹیاں تھیں جو یورپ کے افکار کو پھیلا رہی تھیں۔ لیکن عوام ان کے بارے میں مشتبہ تھے اس لئے ان کا اثر بہت محدود تھا۔ راجہ رام موہن رائے، دیویندر ناتھ ٹیگور اور کیشب چندر سین وغیرہ کی انجمنیں اصلاحی تو تھیں لیکن مذہبی تھیں اور ان کا اثر ایک مخصوص فرقہ تک تھا۔ ہندوستان میں سب سے پہلے ہندو مسلمان اور انگریزوں کی مشترک انجمن کی بنیاد ڈالنے کا فخر اسی نجل جلیل کے حصے میں آیا جسے سر سید کہتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے قیام کے بعد ملک کے طول و عرض میں ایسی انجمنوں کا جال بچھ گیا اور

(باقی صفحہ ۸ پر)

مراسلہ

غالب ادبی و فکری نشاۃ ثانیہ کا علمبردار

غالب اکیڈمی کی عظیم الشان عمارت کی افتتاحی تقریب کے تاریخی موقع پر عزت مآب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے غالب کی ایک غزل میں جس نازک نکتے کی جانب توجہ دلائی ہے وہ نہایت بصیرت افروز ہے اور وہ یہ کہ غالب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ

"چاہے اہل ہند کے پاس گوہر و تاج باقی نہ رہا لیکن مغربی تعلیم کی بدولت ذہنی ترقی کا جو سامان مہیا ہو گیا ہے وہ قابل قدر ہے"

اور اسی نکتے کی ترجمانی کرتے وقت جناب حکیم عبد الحمید صاحب نے اپنی تقریر میں یوں فرمائی کہ

"ہماری کوشش ہے کہ اکیڈیمی وقتی اور ہنگامی چیز نہ ہو بلکہ ایک مستقل علمی، ادبی اور تحقیقی مرکز کی شکل اختیار کرے کہ ملک میں غالب اور اس کے ادبی کارناموں سے دلچسپی بڑھے اور اس کے نتیجہ میں علم و فن کو وسعت اور گہرائی نصیب ہو...... ہم اس اکیڈیمی کو علم و فن اور ثقافت کا ایک متوازن اور پاکیزہ مرکز بنانا چاہتے ہیں"

جناب حکیم صاحب موصوف نے علم و فن اور ثقافت پر بجا طور پر زور دیا اور توازن و پاکیزگی کی بات بھی کہی حالانکہ آخرالذکر کے حصول کا دارومدار لائحہ عمل کی تکمیل میں مصروف حضرات اور ارباب حل و عقد کے حسن نیت اور حسن فکر و عمل پر ہوگا۔ بلا مبالغہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سر سید مرحوم کے بعد جناب حکیم صاحب نے درد کا ایک دوسرا درماں تلاش کیا ہے جو ان کی علم طب سے متعلق جدید صنعت سازی کی درخشاں شان ہمدرد دواخانہ ٹرسٹ سے وابستہ رہے گا۔ یہ وابستگی اشاعت و طباعت کی صنعت کو جدید تر بنانے میں تقویت بخشے گی اردو ٹائپ کی عام ترویج کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں کے تدبھو روپوں سے مالا مال کیا جا سکے گا دہلی کے اس ثقافتی مرکز کی شاخیں ملک کی سبھی ریاستوں میں قائم کی جا سکیں گی اور وہاں کی علاقائی زبانوں کے تدبھو روپوں میں اور انھیں کے رسم الخط میں کھڑی بولی کی اشاعت کی جا سکے گی تاکہ پورے ملک میں کھڑی بولی کا رواج تیزی سے قومی ایکتا کے لئے بڑھ سکے۔ غالب نے شمالی ہند میں لسانی ایکتا اور فکر و ادب کی عالمگیریت کی شکل روشن کی تھی۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جبکہ ذرائع آمد و رفت اور وسائل نقل و حمل کا فقدان تھا، غالب کی غیر معمولی بصیرت اور وسیع المشربی نے لسانی فکری اور ادبی نشاۃ ثانیہ کی علمبرداری کی۔ چنانچہ اسی نشاۃ ثانیہ کے فیض سے مسدس حالی اور بھارت بھارتی وجود میں آسکیں حالانکہ میکالے کی سامراجی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے منفیانہ رجحانات ان دونوں سے ظاہر ہیں ورنہ ۱۸۰۰ء میں قائم شدہ فورٹ ولیم کالج کے زمانہ سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک تفرقہ اور نفاق کا زہر ہماری قومی زندگی میں داخل نہیں ہو پایا تھا۔ اگر مسلم شرفاء غالب کی غیر مقلدانہ طرز فکر اور انداز بیان پر عمل پیرا رہتے اور انگریز شرفاء حاکموں کے بہکاوے میں نہ آکر اپنے جاگیرداری اطوار یعنی رعونت، کبر و نخوت اور کمزور خدمت پیشہ اور محنت کش لوگوں کے لئے حقارت، اپنی نفاست پسندی پر بیجا ناز وغیرہ ترک کر دیتے تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔ نظم و نسق میں عہدوں کی تقسیم پر اور ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب پر نئے متوسط طبقے میں جھگڑے شروع کرائے گئے، سیاست میں پارلیمانی جمہوریت کے نام پر فرقہ وارانہ پارٹیز کو فروغ دیا گیا۔ غرض سن ستاون کی بغاوت تک ہم جتنے ایک دوسرے سے نزدیک ہوئے تھے اتنے ہی دور ہوتے چلے گئے۔ اس افتراق اور دوری نے ہمیں زبان و ادب کی حد تک بھی تقسیم کر دیا، حالانکہ زبان و ادب کی کلچرل بنیادیں اور روایتیں آج بھی اتنی استوار اور مستحکم ہیں کہ رجعت پسند عناصر اس قومی آہنگی پر ششدر اور سراسیمہ ہیں۔ غالب نے متھرا سے قریب آگرہ میں رہ کر اور پھر دہلی آکر گیتا کے یگانہ ذہنی کے بے لوث فلسفے کو اپنے استاد ہرمزد یا ملا عبد الصمد کے توسط سے خوب سمجھا تھا اور پھر بھگتی کی تحریک کے شرنگار یا جمالیاتی مرقع بیانی کو غزل کے امتزاجی روپ میں سمو دیا۔ غزل میں وسعت بہت ہے، اس میں سوز و گداز ہے زندگی کی بشاشت اور شوخی زیادہ ہے، فلسفیانہ فکر کو بھی رمز و کنایے اور ردیف و قافیے کا جامہ پہنایا گیا ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

غالب پوری طرح سے ذہن ہندی کا مالک تھا۔ اس نے کوئی فرار اختیار نہیں کیا، نہ وہ بھگتی نہ تصوف کے فریب میں مبتلا ہوا اور نہ وہ مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو بیٹھا۔ اس نے زندگی کے جھمیلوں میں رہ کر سارے غم بڑی بشاشت سے برداشت کئے بلکہ آلام و مصائب اس کے ظرف تحمل کی نسبت سے در خور اعتنا ثابت نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ زندگی کی ابدیت کے راز سے آشنا اور سماجی حقائق اور نشاط کار کے عشق کی شراب سے سرشار تھا۔ غزل کی وسعت اور شوخی اور نثر کی رعنائی اور سلاست دونوں غالب کی بصیرت کا مرہون منت

ہیں کہ ان سے ایک کل ہند قسم کی ادبیات کی داغ بیل پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں زندگی کی جو بشاشت اور شگفتگی نمایاں طور پر رواں دواں ہے وہ آج ہندی والوں میں بھی مقبول ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ہندی ادب میں بشاشت اور طراوت مزاج کی بے حد کمی ہے۔ خصوصاً فلمی گیتوں پر تو واضح طور پر غزل ہی کا لب و لہجہ غالب نظر آتا ہے۔ اس حقیقت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔

خدا کرے جناب حکیم صاحب کو غالب اکیڈمی کے لئے خوش فکر جید عالموں اور ادیبوں کی بے لوث خدمات حاصل ہو سکیں تاکہ ان ملکی اور غیر ملکی محققین کے مساعی جمیلہ سے جناب حکیم صاحب کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے اور غالب کی ادبی و فکری نشاۃ ثانیہ کا شجر پھر سے بار آور ہو سکے۔

(امیر محمد خان جامعی)

صفحہ ۴ سے آگے

مختصر یہ کہ اردو کو کسی ایک حیثیت سے ذریعۂ معاش بنانا مقصود ہو (اور اس کے امکانات موجود ہیں) تو۔

(۱) اپنے آپ کو ہر قسم کے احساس کمتری سے پاک کر کے یقین کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ (۲) تیسرے درجے یا گھٹیا قسم کے کام سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا چاہئے۔ (۳) کام کو ایک پیشے کی حیثیت دے کر اس کے سارے تکنیک یا گر مطالعہ یا ٹریننگ کے ذریعہ حاصل ہونے چاہئیں۔ (۴) سخت مقابلے اور حوصلہ شکن حالات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ (۵) اپنے کام میں وسعت نظری سے مدد لینی چاہئے۔

اور آخری بات یہ کہ دوسروں کی کم توجہی دیکھ کر رونے کے بجائے ''اقبال کے اس قول پر عمل کرنے کی ضرورت ہے ؎

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی — حدی را تیز تر خواں چو محمل را گراں بینی

صفحہ ۶ سے آگے

دہلی سوسائٹی، انجمن پنجاب، انجمن تہذیب لکھنؤ، بنارس انسٹی ٹیوٹ، اٹاوہ ریڈنگ اینڈ ڈیبیٹنگ کلب، سائنٹفک سوسائٹی بہار، سرونٹ بھاؤنا، سماجن سبھا مدراس، لٹریری سوسائٹی اودھ، انجمن راجپوتانہ کا قیام سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اثر عمل میں آیا۔ سائنٹفک سوسائٹی کے منصوبوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ تحریک کا خواب بھی سرسید نے اس کے کام کے دوران دیکھا تو اس کے تمام خد و خال انکے ذہن میں پورے طور پر انگلستان کے سفر کے بعد متعین ہوئے۔ اس لئے علی گڑھ تحریک کو سمجھنے کے لئے سائنٹفک سوسائٹی کا مطالعہ بھی از بس ضروری ہے کہ یہی سوسائٹی علی گڑھ تحریک کا نقطۂ آغاز ہے۔

[illegible] اس سے زندہ باز گشت جینا سمجھتے ہیں

جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی اپیل

پٹنہ۔ ملک بھر میں زبان کا مسئلہ ایک پیچیدہ سیاسی مسئلہ بن گیا ہے لیکن اردو کا مسئلہ اور بھی زیادہ سنگین مسئلہ بنتا جا رہا ہے جس کی طرف محبان اردو کی توجہ بالکل نہیں بلکہ آج اردو دوست اردو مخالف پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر جمود و بے حسی کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے اردو تحریک کو اپنی جدوجہد میں جتنی کامیابی ہونی چاہئے تھی اب تک حاصل نہ ہو سکی ہے۔

گذشتہ عام انتخابات نے بہار میں عوامی زندگی میں جو ہلچل پیدا کی اور جو تبدیلی آئی اس میں اردو تحریک کو کافی دخل تھا گرچہ صورت حال میں نامساعد تبدیلی آنے کی وجہ سے اردو اپنا جائز آئینی مقام نہ حاصل کر سکی۔ حالیہ جمہوری انتخابات میں بھی اردو دوستوں نے سابقہ حالات کی روشنی میں اپنا اہم رول ادا کیا ہے۔ لیکن اردو دوستوں نے انجمن کی تنظیم اور تعمیری کاموں سے دلچسپی لینے میں مایوس کن رویہ اختیار کیا ہے حالانکہ حالات کا تقاضا تھا کہ محبان اردو جیسی سرگرمی دکھاتے اور اپنے قوت عمل سے اردو تحریک کو زندہ اور پائندہ ثابت کرتے۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے اپنی تاسیس کے دن ہی سے حسب استطاعت تعمیری کاموں پر توجہ دی ہے خصوصاً تعلیمی مسائل سے اس نے دلچسپی لی ہے ایک طرف اسکولوں اور کالجوں میں ابتدائی سطح سے لے کر یونیورسٹی سطح تک اردو تعلیم کی بڑی حد تک کامیاب تحریک چلائی تو دوسری طرف تعلیمی اداروں کے قیام میں بھی انجمن سرگرم رہی اور بحمد اللہ ریاست بھر میں اردو ہائی اسکول، اردو گرلس ہائی اسکول، اردو مڈل اسکول، مکاتب کینڈر گارٹن نہج کے اسکولوں کے قیام میں انجمن نے سرگرم حصہ لیا ہے اور آج اس کے پروگرام میں تعلیمی اداروں کے قیام کو بشمول اردو یونیورسٹی خصوصی اہمیت حاصل ہے اور اردو کو اس کا جائز مقام دلانے اور اس کے تحفظ و بقا کے مسئلے کو حل کرنے اردو کی تعلیم اردو اداروں اور تعلیم گاہوں کا قیام بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ تنظیم تعمیر کی بنیاد ہے۔ محبان اردو کو بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی تنظیم کو مضبوط اور موثر بنانے کے لئے جوش عمل کا مظاہرہ کرنا تھا تاکہ انجمن تعمیری کاموں سے بھی اردو کے تحفظ و بقا کی تحریک کے ساتھ ساتھ عہدہ برآ ہوتی۔ لہذا انجمن کی تنظیم کو باوقار بنانے کے لئے ممبر سازی مہم کی کامیابی ضروری ہے اسی غرض سے انجمن نے ۲۸ فروری تک دو لاکھ ممبر سازی کا نشانہ بنایا تھا لیکن اردو دوست اس نشانے کو جمہوری انتخابات کے ہنگامے میں پورا نہ کر سکے۔ یہ محبان اردو

کی سست رفتاری کی دلیل ہے۔ موجودہ دور میں تعمیر کا مسئلہ ہو یا تنظیم کا، سرمایہ اور فنڈ کے بغیر حل پذیر ہونا ممکن نہیں اور اردو تحریک جس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے وہاں محض ہنگامہ آرائی، نعرہ بازی اور کاغذی جد و جہد اور کارکنوں کی جانفشانی بہت زیادہ موثر نہیں ہو سکتی ہے۔ محنت اور سرمایہ اور پھر ایثار و قربانی کا مخلصانہ عملی جذبہ تحریک کو بار آور بنانے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن انجمن مالی طور پر بہت کمزور ہے ۵ ہزار روپیوں کی مقروض ہے دفتری کاموں سے لے کر تعلیمی پروگرام تک فنڈ کے بغیر تشنہ اور ناممکن نظر آتے ہیں۔ وہ رقم اس کے علاوہ ہے جو صدر یا دیگر ذمہ داروں نے خرچ کی اور وہ بھی دس سے اوپر ہے۔ اس بھیانک صورت حال کا مداوا اردو تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر ۹ مارچ کو مجلس عاملہ کی نشست میں تحریک و تنظیم آئندہ کے پروگرام اور مالی وسائل و دیگر ذرائع پر غور و خوض کے بعد حسب ذیل فیصلے کئے گئے۔ (۱) مجلس عاملہ نے ہماری ریاستی انجمن ترقی اردو کے محدود مالی وسائل و ذرائع پر غور و خوض کے بعد تعلیمی و تعمیری کاموں کو آگے بڑھانے کے لئے طے کیا کہ ہر رکن مجلس عاملہ انجمن کی مالی مشکلات پر قابو پانے کے لئے اپنے حلقۂ اثر سے ایک سو روپیہ کی رقم فراہم کرے اور ہر کارکن اپنے حلقۂ اثر سے کم از کم ۲۵ روپیہ فراہم کرے۔ (۲) انجمن کی ممبر سازی کی تاریخ میں ۲۰ اپریل تک توسیع کی جائے اور قطعی طور پر ۳۰ اپریل تک ریاستی دفتر میں ادھ کٹیاں اور کوٹا کی رقم جمع کر دی جائیں۔ مقامی شاخوں کے انتخابات ۷ مئی تک ضلعی شاخوں کے انتخابات ۱۵ مئی تک اور ریاستی انجمن کے انتخابات ۳۰ / ۳۱ مئی تک مکمل کر لئے جائیں۔ (نوٹ) الف۔ مقامی شاخوں کا فرض ہے کہ اپنے ابتدائی ممبروں کی دو فہرست تیار کریں۔ ایک شاخ کے دفتر کے لئے ہوگی اور دوسری فہرست ضلع انجمن کے دفتر میں فوراً بھیجی جائے۔ (ب) کوٹا کی رقم ۵۰ فی صدی مقامی شاخ کے لئے مخصوص ہوگی اور ۲۵ فی صد ضلع اور ۲۵ فی صد ریاستی انجمن کو بھیجی جائے گی۔ (۳) طے پایا کہ عبوری انتخابات سے قبل اور بعد کی صورت حال میں پیدا شدہ مسائل کی روشنی میں اردو تحریک کو آگے بڑھانے کی تدابیر پر غور کیا جائے۔

(جناب صدیقی جنرل سکریٹری)

چنڈی گڑھ میں انجمن کی شاخ کے قیام کے لئے کمیٹی بنادی گئی

چنڈی گڑھ میں انجمن ترقی اردو شاخ کے لئے ایڈہاک کمیٹی بنادی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل حضرات کو چنڈی گڑھ کی شاخ کی ایڈہاک کمیٹی کے لئے مرکزی انجمن کی طرف سے بطور رکن نامزد کیا گیا ہے۔

(۱) جناب رشی پٹیالوی صاحب اسکورٹس [illegible] کنوینر (۲) جناب ڈاکٹر ست پرکاش سنگھ صدر شعبۂ تاریخ ممبر (۳) جناب کشمیری لال ذاکر اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن ہریانہ ممبر۔ (۴) جناب بی ڈی بالی ڈپٹی ڈائریکٹر [illegible] ڈیری ممبر۔ (۵) جناب برج موہن مالک اوپکار موٹرز ممبر (۶) جناب بلدیو راج جین انڈر سکریٹری تا فنانس ہریانہ ممبر۔ (۷) جناب نند لال ڈھینگرا ایڈوکیٹ ہائی کورٹ ممبر۔ (۸) جناب پروفیسر گردیال سنگھ شعبۂ انگریزی گورنمنٹ کالج ممبر۔ (۹) جناب پروفیسر [illegible] مہرا ایوننگ کالج پی یو یونی ورسٹی ممبر۔ (۱۰) جناب سردار جھال سنگھ [illegible] آفیسر محکمہ تعلقات عامہ ممبر۔ (۱۱) جناب شری رام ورتی ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان اردو ممبر۔ (۱۲) جناب گیان چند کپور ڈپٹی اسسٹنٹ رجسٹرار پنجاب یونی ورسٹی ممبر۔ (۱۳) جناب ایل ایس نول ملٹری آفیسر ممبر۔ (۱۴) جناب سوم راج تنویر جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب ممبر۔ (۱۵) نوبہار صابر صاحب ممبر۔

شانتی نکیتن میں غالب صدی تقریبات

شانتی نکیتن: ہند زبان کے شاعر اعظم رابندرناتھ ٹیگور کی یادگار یونی ورسٹی وشوا بھارتی (شانتی نکیتن) میں شعبہ عربی و فارسی و اسلامیات کے زیر اہتمام اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی صد سالہ برسی نہایت تزک و احتشام سے منائی گئی۔ ۹ مارچ کو تصاویر اور کتابوں کی نمائش سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر کالی داس بھٹاچاریہ وائس چانسلر وشوا بھارتی یونی ورسٹی نے نمائش کا افتتاح فرمایا۔ اس نمائش میں کلا بھون میوزیم کلکتہ کی نایاب مغل پینٹنگس اور عربی و فارسی خطاطی کے نادر نمونوں کے علاوہ غالب، معاصرین غالب، آزاد [illegible] غالب، مرزا غالب کی زندگی کے مختلف واقعات اور عہد غالب کی تصویریں نیز غالب کے اشعار پر مبنی چند تصویروں کے علاوہ غالب کی تصنیفات اور غالب پر اردو و ہندی، انگریزی و بنگلہ کتب، رسائل اور شائع شدہ مضامین کی نمائش کی گئی۔ دوسرے دن ۱۰ مارچ کو صبح ساڑھے نو بجے چینا بھون میں غالب سیمینار کا افتتاح ہوا۔ پروفیسر کالی داس بھٹاچاریہ وائس چانسلر وشوا بھارتی یونی ورسٹی نے صدارت فرمائی۔ شعبہ عربی فارسی و اسلامیات اور غالب صد سالہ برسی کمیٹی کے صدر ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور یونی ورسٹی کے تمام شعبہ جات اور ذمہ داران کا جنھوں نے اس پروگرام میں تعاون کیا تھا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا کہ گزشتہ دو سال سے ہمارے شعبے کے ماتحت اردو اور فارسی سرٹیفکیٹ کلاسیں ہو رہی ہیں موصوف نے

ان کلاسوں کو مزید ترقی دینے اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی طرف یونی ورسٹی کے ارباب حل و عقد کی توجہ مبذول کرائی۔ اس سیمینار میں ڈاکٹر ہیرالال چوپڑا، لکچرار اسلامی تاریخ و ثقافت، کلکتہ یونی ورسٹی نے "غالب اور بنگال" کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھا۔ چوپڑا صاحب کے بعد جناب عبدالغنی، لکچرار شعبۂ انگریزی پٹنہ یونی ورسٹی نے "غالب کی شاعری اور اس کے فکر و فن کی اہمیت" پر انگریزی میں ایک مقالہ پڑھا۔ بعد ازاں شری موہن لال باجپائی، ریڈر شعبۂ ہندی وشو بھارتی یونی ورسٹی نے ہندی میں ایک مقالہ پڑھا جس میں انھوں نے غالب کے اشعار کے ذریعہ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ سیمینار کی پہلی نشست کا اختتام علامہ اقبال کے ترانۂ ہندی پر ہوا۔ سیمینار کی دوسری نشست ۹؍مارچ کو صبح ساڑھے نو بجے زیر صدارت پروفیسر اوپندر ناتھ داس، پرنسپل ودیا بھون منعقد ہوئی۔ اس نشست میں جناب محمود الحسن ریاضی، ہیڈ مولوی بولپور ہائی اسکول نے "غالب اور اس کی شاعری" پر بنگلہ میں مقالہ پڑھا جس میں غالب اور ٹیگور کا موازنہ بھی کیا گیا تھا۔ بعد ازاں جناب عبدالستار شاہدی، لکچرار شعبۂ اردو مولانا آزاد کالج کلکتہ نے "غالب کے خطوط" کے عنوان پر ایک مقالہ اردو میں پیش کیا۔ جناب شاہدی کے بعد شری بھین پرشاد، ریسرچ اسکالر رابندر بھون نے "غالب کی حیات اور اس کی ادبی تخلیقات" پر بنگلہ زبان میں ایک مفصل تعارفی مقالہ پڑھا۔ انھوں نے غالب کے شعر ؎

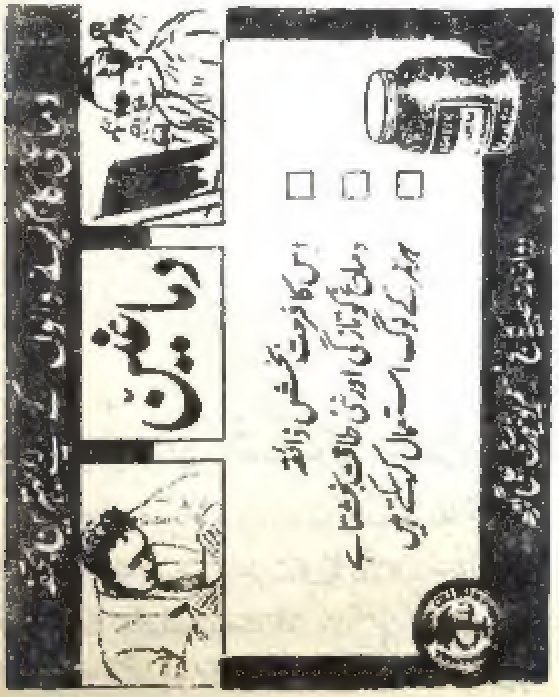
جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

کی روشنی میں وشنو ازم کے فلسفۂ محبت سے غالب کے فلسفۂ محبت کا موازنہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ راجہ رام موہن رائے اور ایشور چندر ودیا ساگر کا جو مقام بنگلہ ادب میں ہے وہی مقام اردو ادب میں غالب کا ہے۔ غالب نے خطوط نویسی میں ایک نئی راہ نکالی اور اس کو ادبی اہمیت کا حامل بنا دیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ پروفیسر اوپندر ناتھ داس نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا اور حسرت کے ساتھ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش میں اردو جانتا تاکہ غالب جیسے شاعر کے کلام سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتا۔ سیمینار کے اختتام پر وشو بھارتی غالب صد سالہ برسی کمیٹی کے سکریٹری حافظ محمد طاہر علی نے باہر سے آئے ہوئے نمائندگان، شرکائے سیمینار اور تمام سامعین کا شکریہ ادا کیا۔ سیمینار کی دونوں نشستوں میں بیرونی مہمانوں کے علاوہ یونی ورسٹی کے اساتذہ و طلبہ نے کافی تعداد میں شرکت کی۔

۹؍مارچ کو شام ساڑھے چھ بجے وشو بھارتی یونی ورسٹی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اردو مشاعرہ کا انعقاد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت پروفیسر ڈی۔ جی۔ ڈی۔ جوشی صدر شعبۂ کلاسکل سنگیت وشو بھارتی نے فرمائی اور حافظ طاہر علی نے اناؤنسر کے فرائض انجام دئے۔ اہل شانتی نکیتن کے لئے یہ بالکل اچھوتا اور نیا تجربہ تھا جسے کافی پسند کیا گیا۔ مشاعرہ میں جن شعرا نے اپنا کلام سنایا ان میں سوز سکندرپوری، ادیس احمد دوراں، ہمیں آفندی اور قیوم بھاگلپوری کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مشاعرہ کے بعد غالب کی متعدد غزلیں جناب قیوم احمد اور شری گوما سرباددھیکاری نے ترنم سے پڑھیں۔ بعد ازاں سنگیت بھون کی ریڈر شریمتی کنیکا بنرجی، اکاری بیل لاہری، شریمتی سوشندا بھٹاچارجی، شری موہن سنگھ کھنگوڑ اور شری گورا سرباددھیکاری نے غالب کی غزلیں ساز پر گائیں۔ ان کے انگریزی اور بنگلہ ترجمے ریبا گھوش، گوپا مکھرجی، سنگھ مترا سے، اشوری پال اور کلیانی گنگولی نے سنائے۔ غالب صد سالہ برسی کا یہ سہ روزہ رنگا رنگ پروگرام شانتی نکیتن کے ترانے پر بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ (حافظ محمد طاہر علی سکریٹری)

کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں غالب کی یاد میں مذاکرہ

کانپور: صد سالہ جشن غالب کے سلسلہ میں کرائسٹ چرچ کالج کانپور کے شعبۂ اردو اور بزم ادب کے زیر اہتمام جمعہ ۱۹؍مارچ کی شام کو ایک بزم مذاکرہ منعقد ہوئی جس کی صدارت کانپور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر آچاریہ جگل کشور نے کی۔ بزم مقالات میں جن حضرات نے حصہ لیا ان میں پروفیسر سید علی رضا حسینی، سید اختر رضا ایڈوکیٹ، ڈاکٹر جانیشور ورما (شعبۂ ہندی کرائسٹ چرچ کالج)، ڈاکٹر مسیح الزماں الٰہ آباد یونی ورسٹی اور ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، صدر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی تھے۔ پروفیسر سید علی رضا حسینی نے کہا کہ غالب کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ ہر



دور اور ہر زمانہ میں ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ سید اختر رضا نے کہا کہ غالب ایسے دور میں پیدا ہوئے تھے۔ جب سیاسی شعور پوری طرح سے بیدار نہ تھا۔ مگر ایک حساس شاعر کے تئے زمانے کی تبدیلیاں ہی بہت تھیں۔ ڈاکٹر ورما نے کہا کہ مجھے ہندی والوں کی طرف سے غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ غالب ہندی ادب کا بھی اتنا حصہ ہیں جتنا اردو ادب کا۔ وہ بھارتیندو ہریش چندر کی طرح نئی زندگی کے نقیب تھے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے کہا غالب ایسے دور میں تھے جب کہ ہندوستان تبدیلیوں کی آماجگاہ تھا۔ غالب نے نئے شعور کی تخلیق میں مدد کی ہے۔ اور شعور کی اس تخلیق نے ان کو امر بنا دیا۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے مقالہ میں اردو زبان کی اہمیت اور مقبولیت کے اسباب بتلائے۔ انھوں نے کہا کہ غالب کا دل اردو زبان کی طرح ہر ایک کے لئے کشادہ تھا۔ وہ ایک ایسا فن کار ہے جو زندگی کی تہہ تک پہونچتا ہے اس کے چاہنے والوں میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل تھے۔ اور آج بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ کے بعد شعرائے کرام نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا جلسہ کے آخر میں پرنسپل کرائسٹ چرچ کالج این۔ ابراہم نے حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ (نامہ نگار)

گورنمنٹ کالج اورنگ آباد میں جشن غالب

انجمن بزم اردو، گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس کے زیر اہتمام اورنگ آباد میں جشن غالب کی تقریبات کا آغاز ۱۰ر جنوری ۱۹۶۹ء کو غالب پر مذاکرہ سے ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر ظ انصاری لیکچرار روسی، شعبہ زبانہای غیر ملکی بمبئی یونی ورسٹی نے کی۔ اس مذاکرے میں پروفیسر ڈاکٹر عالم خوند میری، صدر شعبہ فلسفہ عثمانیہ یونی ورسٹی، ڈاکٹر مہدی علی، صدر شعبہ حیوانیات مرہٹواڑہ یونیورسٹی اور مرہٹی کے نامور ادیب اور نقاد شری باد جوشی نے حصہ لیا اور غالب کی شخصیت اور ان کے کلام کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اور ساحر لدھیانوی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ پرنسپل ڈاکٹر سید نعیم الدین نے حاضرین کا جن میں مشہور افسانہ نگار جوگیندر پال، پرنسپل سرسوتی بھون کالج اور اورنگ آباد کے کہنہ مشق شاعر یعقوب عثمانی بھی شامل تھے، شکریہ ادا کیا۔

اسٹوڈنٹس فورم اور بزم اردو کے تعاون سے جشن غالب سے متعلق ایک اور تقریب ۱۹ر فروری ۱۹۶۹ء کو مرہٹواڑہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ پرنسپل ڈاکٹر سید نعیم الدین نے وائس چانسلر کا تعارف حاضرین سے کرایا۔ اس تقریب میں ہندی کی طالبہ کماری لیلا جہرا نے ہندی میں، پروفیسر بھگونت راؤ دیشمکھ صدر شعبہ مرہٹی نے مرہٹی میں اور ڈاکٹر لباری صدر شعبہ تاریخ و سیاسیات نے انگریزی میں غالب پر پرمغز تقریریں کیں اور وائس چانسلر نے آخر میں کلام غالب کی خوبیوں کو انگریزی میں تفصیل سے پیش کیا اور یہ بتایا کہ غالب ہر زبان ہر قوم اور ہر دور کا شاعر ہے۔ آخر میں مرہٹواڑہ کی مشہور مغنیہ آشا تا نے غالب کی مشہور غزلیں وجد آور دھنوں میں گاکر سامعین کو لطف اندوز کیا۔ (عصمت جاوید)

گورنمنٹ رضا کالج رامپور میں غالب صدی تقریبات

رامپور: ۱۶ر اور ۱۷ر مارچ کو گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج کی بزم اردو کے زیر اہتمام غالب صدی تقریبات منائی گئیں جس میں ملک کے مشہور ادیب نواز حضرات ادبا اور شعرا نے شرکت کی۔ ۱۶ر مارچ کو مجلس مذاکرات ہوئی جس میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد حسن، جناب شبیہ الحسن نونہروی، جناب زریت کاکوروی اور جناب اکبر علی خاں عرشی نے شرکت فرمائی اور تقاریر کیں۔ تقریبات کا افتتاح نواب رامپور اعلیٰ حضرت مرتضیٰ علی خاں ایم۔ ایل۔ اے نے غالب کی تصویر کی نقاب کشائی سے کیا۔ کالج کے طلبہ میں سے سید شاہ عالم رامپوری، سلیمان احمد مجددی اور رضا حسن شاہ خاں نے اپنے اپنے مقالات پڑھے جناب امتیاز علی عرشی علالت کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے لیکن ان کی تقریر کا ٹیپ سامعین کو سنایا گیا۔ ۱۷ر مارچ کو کالج کے کانووکیشن ہینڈ ال میں کل ہند مشاعرہ ہوا جس کی صدارت کالج کے پرنسپل ڈاکٹر کے این سریواستوا ڈی۔ لٹ نے فرمائی اور سکریٹری شپ کے فرائض جناب سید نجم الدین نقوی صدر شعبہ اردو نے انجام دئے۔ (سید شاہ عالم)

بھوپال میں یاد غالب تقریبات

بھوپال: "غالب صدی" تقریبات کے سلسلہ میں ایوان "صدر منزل" میں "یاد غالب" کے عنوان سے سہ روزہ پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ مجلس مضامین اور مشاعرہ کے بعد محفل موسیقی منعقد ہوئی "شب نغمہ" کے اس خصوصی پروگرام میں آل انڈیا ریڈیو کے معروف فنکاروں نے حصہ لیا۔ اس موقع پر درمیانی وقفہ میں غالب کی غزلیات کا اک خصوصی LONG PLAYING ریکارڈ بھی بجایا گیا جسے حال ہی میں HMV نے ریلیز کیا ہے۔ (نامہ نگار)

مرزا پور میں غالب صدی مشاعرہ

مرزا پور: مرزا پور میں غالب صدی کے سلسلے کی ایک محفل مشاعرہ ۸ر مارچ ۱۹۶۹ء کو ہند و پاک کے ممتاز شاعر جناب سید حرمت الاکرام صاحب کے دولتکدہ پر منعقد ہوئی۔ اس میں عمائدین شہر کے علاوہ اردو اور ہندی کے خوش فکر شعرا نے شرکت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ حرمت الاکرام، اصغر رضوی، بی۔ بسمل بادشاہ پوری، اسلم سہیل (جونپوری)، جمیل منظر سائیدی، تابش اکرامی، شاہد ماہلی، شہباز احمد شہباز

آشنا مرزاپوری، خلیل احمد خلیل، نوربیگ فاضل، مدھوکر سرائےمعروفی بنارسی لال پنکج اور ریتی مادھو۔ (تابش اکرامی)

پورنیہ کالج میں صد سالہ جشن غالب

پورنیہ۔ بزم اردو پورنیہ کے زیر اہتمام جشن غالب پرنسپل جناب دنیشور مصر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ غالب کے متعلق اردو، ہندی، میتھلی اور بنگلہ میں مقالے پڑھے گئے اور طلبہ نے تقریریں کیں غالب کی چند غزلیں ترنم کے ساتھ طلبہ اور طالبات نے پیش کیں آخر میں بیت بازی ہوئی جس میں صرف دیوان غالب کے اشعار پیش کئے گئے۔ آخر میں بزم کے صدر پروفیسر میر نفضل امام نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (اصغر عالم)

خالصہ کالج دہلی کی جانب سے غالب کو خراج عقیدت

دہلی۔ خالصہ کالج دہلی کی سالانہ تقریب کے موقع پر جس کے مہمان خصوصی مرکزی وزیر جناب آئی کے گجرال تھے، کالج کی بزم ادب نے غالب کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے "دہلی کی آخری شمع" اسٹیج کیا جس کا اسکرپٹ شہاب جعفری نے تیار کیا۔ اس پروگرام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حصہ لینے والے سبھی اساتذہ تھے اس تعاون کے لئے طلبہ کی بزم ادب شعبہ ہائے انگریزی و پنجابی و ہندی کی تہ دل سے شکر گزار ہے خالصہ کالج میں ہر سال اچھے نمبروں سے اردو میں داخلہ لینے طلبہ کو کالج کی جانب سے خصوصی اعانت اور مالی امداد دی جاتی ہے۔ (مرزا بیگم سکریٹری بزم ادب)

گوالیار میں غالب صدی تقریبات کا اہتمام

گوالیار۔ مقامی تھیوسوفیکل لاج، گاندھی پارک میں غالب صدی تقریبات کمیٹی گوالیار کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ زیر صدارت جناب بھیم چند ماتھر صاحب منعقد ہوئی اس میٹنگ میں بالاتفاق رائے یہ طے پایا کہ اپریل ۱۹۶۹ء میں منائی جانے والی تقریبات میں ایک کل ہند مشاعرہ ادیبوں کی تقاریر اور غالب کی زندگی اور فن سے متعلق اخبارات، رسائل اور کتب اور آرٹ کی نمائش ہوگی۔ اس موقع پر ایک یادگار مجلہ بھی شائع کیا جائے گا جس میں مرزا غالب اور حضرت تمکین گوالیاری سے متعلق فارسی خطوط اور ان کا اردو ہندی میں ترجمہ بھی شامل ہوگا ان تمام کاموں کو حسن و خوبی سے منانے کے لئے متعلقہ کمیٹیاں بھی بنائی گئی ہیں۔ (اسلام الدین)

محمد علی لائبریری کلکتہ کا مشاعرہ

کلکتہ:۔ محمد علی لائبریری کلکتہ کا دسواں کل ہند مشاعرہ زیر صدارت حضرت کیفی اعظمی مانندر سدن ہال میں ۵/مارچ ۶۹ء کو ۹ بجے شب منعقد ہوا۔ مشاعرہ میں نمایاں مقامی شعراء کے علاوہ بیرون کلکتہ سے شعراء نے شرکت کی۔ مشاعرہ کا افتتاح نواب ببر کے۔ جی۔ ایم فاروقی شریف کلکتہ نے اپنی مختصر تقریر سے کیا۔ (حسن جاوید)

اردو عوام کی زبان ہے اور اسے اس کے حقوق ملنے چاہئیں

لکھنؤ۔ جناب رام سنگھ گپتا ایم۔ ایل۔ اے نے اردو کے بارے میں پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ اردو اس ملک کی زبانوں میں سے ایک زبان ہے جو ملک میں کم و بیش عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اسے پھولنے اور پھیلنے کے پورے مواقع ملنے چاہئیں۔ جو لوگ اردو کی مخالفت کرتے ہیں یا اس کی ترقی کے ذرائع محدود کرتے ہیں وہ اردو کے ساتھ ظلم کرتے ہیں اردو مستقل ایک زبان ہے وہ کسی طرح بھی ہندی کی رقیب نہیں ہے جو لوگ اردو کو ہندی کا مخالف سمجھتے ہیں وہ حقیقت سے دور ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو اردو کو کسی مذہب سے وابستہ کرتے ہیں وہ بھی اردو کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اترپردیش کی سرکار اردو کے بارے میں وقتاً فوقتاً جو احکام جاری کرتی رہتی ہے اس پر سرکاری طور پر عمل درآمد نہیں ہوتا حکومت کو ان احکام کے بارے میں سختی کے ساتھ عمل درآمد کرنے کی ہدایات جاری کرنا چاہئے۔ اردو کے لئے تعلیمی آسانیاں سرکاری دفتروں اور کاموں میں اردو کے استعمال کرنے کا حق اگر عملی طور پر مل جائے تو اردو کے بہی خواہوں کو اطمینان ہو جائے اور جو اختلاف اور شکایت اردو کے بارے میں ہے وہ دور ہو جائے اور وہ ذہن جو زبان کے جھگڑوں میں لگ کر برباد ہو رہا ہے وہ ملک کی تعمیر و ترقی اور یک جہتی میں لگ سکتا ہے اور عمومی طور پر ہر حیثیت سے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے۔ (سیاست)

انجمن ترقی اردو پٹیالہ کی جانب سے گوپال متل کا خیر مقدم

پٹیالہ۔ انجمن ہذا کی جانب سے اردو کے ممتاز شاعر اور ادیب جناب گوپال متل مدیر اعلیٰ ماہنامہ تحریک دہلی کا انجمن ترقی اردو پٹیالہ میں استقبال کیا گیا۔ انجمن نے ان کے اعزاز میں ادبی نشست کا اہتمام کیا جو جناب نوبہار صابر کے دولت کدے پر منعقد ہوئی جس میں اردو، ہندی اور پنجابی کے مقتدر مقامی شعراء حضرات کے علاوہ شہر کے معززین نے بھی شرکت فرمائی۔ (جمیش پٹیالوی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے فیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند سے شائع کیا